Iḥyāʾ alʿulūm, Vol.:24, Issue,2: July-Dec 2024
PP: 01-19

OPEN ACCESS
Iḥyāʾ alʿulūm
ISSN (Online): 2663-6263
ISSN (Print): 2663-6255
www.joqs-uok.com

مثالی اسلامی تعلیمی نظام، نظریاتی بنیادیں، عملی خدوخال اور نفاذ کے امکانات

An Ideal Islamic Educational System: Theoretical Foundations, Practical Features, and Prospects for Implementation

Haq Nawaz
Supervisor, Dept. of Hadith Specialization, Zawaar Academy, Dar al-Ilm wa al-Tahqiq, Nazimabad, Karachi.
Email: haqnawaz70021@gmail.com

Abstract

The significance and necessity of education and learning are undeniable. Education is a torch that dispels darkness and removes obstacles; it is a key that opens the doors to the greatest successes. It not only refines human behavior and social etiquette, but also shapes moral character. For this very reason, Allah Almighty initiated the process of human guidance and education from the beginning of creation through the gradual appointment of 124,000 prophets, who dedicated all their capacities to the propagation of knowledge and wisdom. The final and most complete link in this sacred chain is the person of Prophet Muhammad ﷺ. Regarding the objectives of his mission, Allah Almighty declares in the Qur'an:"He it is Who sent among the unlettered ones a Messenger from among themselves, reciting unto them His verses, purifying them, and teaching them the Book and wisdom, although they were before in manifest error." (Al-Jumu'ah: 2) The entire life of the Prophet ﷺ stands as a living testimony to the fact that he devoted his every moment to these very goals. Through his tireless efforts, the Arabian Peninsula, once engulfed in ignorance, was illuminated with the light of knowledge and guidance, and centuries of darkness vanished in a matter of years. Following the establishment of the Islamic state, the

CC BY

Prophet ﷺ founded an educational institution known as "Suffah" adjacent to the northern wall of Masjid al-Nabawi. He himself served as its principal and instructor, while the learners were none other than the noble Companions. The educational structure and principles implemented in this school provide the foundational model for an Islamic system of education. Within a span of merely ten years, this model proved so effective that illiteracy was virtually eradicated in the Islamic state, and men, women, children, and elders all became adorned with the jewels of knowledge. This paper, entitled "An Ideal Islamic Educational System: Theoretical Foundations, Practical Features, and Prospects for Implementation," seeks to examine the Islamic educational model in the light of Prophetic guidance. The study will address the following major themes:

1. The educational framework of Islamic institutions during the Prophetic era;

2. The theoretical foundations of the Islamic system of education;

3. The feasibility of implementing this model in modern religious and secular institutions, along with the challenges involved;

4. Practical recommendations and a viable plan of action for implementation.

The study ultimately concludes that if traditional Islamic seminaries (madaris) proceed with reformative insight, intellectual openness, pedagogical wisdom, a balanced integration of tradition and innovation, and a harmonious blend of religious and contemporary sciences, then-just as they shaped the radiant past of the Muslim Ummah-they can once again become centers for the establishment of a comprehensive and ideal Islamic educational system in the modern age.

Key Words*: Islamic education, theoretical foundations, Prophetic pedagogy, objectives of education, educational reforms, implementation strategies, madaris, tradition and modernity, Suffah.*

تعارف

تعلیم و تعلم کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تعلیم ایک ایسی مشعل ہے جو اندھیرے ختم کرتی ہے اور مصائب ومشکلات دور کرتی ہے۔ تعلیم ایک ایسی کنجی ہے، جو ہر بڑی کامیابی کا دروازہ کھولنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ تعلیم نہ صرف یہ کہ انسان کو مہذب بناتی ہے، بلکہ اس کے اخلاق و کردار کو سنوارتی ہے، اسی لیے اللہ ربّ العزت نے ابتدائے آفرینش سے بنی نوعِ انسان کی تعلیم وتربیت کے لیے بتدریج ایک لاکھ چوبیس ہزار معلمین مبعوث فرمائے، جنہوں نے اپنے نقطہ آغاز سے لے کر نقطۂ انتہا تک، اپنی تمام تر صلاحیتوں کو علم ودانش کی ترویج وترقی میں صرف کیا، اس مبارک سلسلے کی آخری کڑی جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جن کی بعثت کے مقاصد کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''هوَ ٱلذِي بَعَثَ فِي ٱل ٱُمِّيّٖنَ رَسُولاً مِّن هُم يَت لوا عَلَي هِم ءَايَتِهِ وَيُزَكِّيهِم وَ يُعَلِّمُهُمُ ٱل كتَٰبَ وَٱل حِك مَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَب لُ لَفِي ضَلَٰلٍ مبِين'' (الجمعہ: ۲) ''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' آپ ﷺ کی پوری زندگی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کا عملی حصہ انہی مقاصد کے لیے وقف رہا اور آپ کے شبانہ روز کوششوں کے زیر اثر عرب کا چپہ چپہ علم کی تابانی سے جگمگا اٹھا اور صدیوں کی دھند لمحوں میں چھٹ گئی اور گمراہی وتاریکی کا ہر عنوان روشنی، ہدایت اور رہنمائی سے بدل گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے بعد مسجد نبوی ﷺ کے شمالی جانب میں ''صفّہ'' کے نام سے اقامتی مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسے کے ناظمِ تعلیمات اور معلّم بذات خود آپ ﷺ تھے اور متعلمین صحابہ کرام تھے، اس مدرسے کے نظام ہی سے اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ یہ نظامِ تعلیم اس قدر جامع تھا کہ دس سال کے قلیل عرصہ میں اسلامی ریاست سے ناخواندگی کا مکمل خاتمہ ہوگیا اور مرد، عورت، بچے، بوڑھے جوان سب ہی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوگئے۔

زیر نظر مقالے ''مثالی اسلامی تعلیمی نظام، نظریاتی بنیادیں، عملی خدوخال اور نفاذ کے امکانات'' میں اسلامی نظامِ تعلیم کے حوالے سے درج ذیل امور پر بحث کی جائے گی۔

۱۔ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کا تاریخی جائزہ

۲۔ عہدِ نبوی ﷺ کی تعلیمی درسگاہیں

۳۔ عہد نبوی ﷺ میں نظامِ تعلیم کے بنیادی عناصر

۴۔ معاشرے کے ہر طبقے کی تعلیم کے لیے اقدامات

۵۔ دورِ حاضر کے دینی اور عصری درسگاہوں میں نفاذ کی گنجائش اور چیلنجز

یہ مقالہ نتیجتاً ثابت کرتا ہے کہ مدارس اگر اصلاحی فہم، فکری وسعت، تربیتی حکمتِ علمی اور روایت وجدت اور دینی وعصری علوم کے امتزاج کے ساتھ آگے بڑھیں تو وہ مسلمانوں کے تابناک ماضی کی طرح عصرِ حاضر میں ایک جامع اور مثالی اسلامی تعلیمی نظام کے قیام کا مرکز بن سکتے ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں تعلیم کی اہمیت

تعلیم وتربیت دینِ اسلام کا جزولاینفک ہے، وحی کے آغاز کے وقت سب سے پہلا لفظ جو رب العالمین نے معلّمِ انسانیت آنحضرت ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا، وہ لفظ ''اِقرأ'' ہے، یعنی ''پڑھیے''۔[1] اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قُل هَل يَس تَوِي ٱلذِينَ يَع لَمُونَ وَٱلذِينَ لَا يَع لَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا ٱل أَل بَٰب''.[2] ''کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں''۔

رسالت مآب ﷺ نے جس کثرت سے علم کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، اس کا احاطہ کرنا محال ہے، چند ایک احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص علم کی جستجو میں کسی راستے کا مسافر ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردیتے ہیں''۔[3] اسی طرح حضور اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''علم مسلمان کا دوست ہے، عقل اس کی راہ نما ہے اور عمل اس کی قیمت ہے''۔[4] آپ ﷺ نے تعلیم

کی عظیم الشان تحریک کا آغاز کرتے ہوئے اپنا تعارف معلّم اور استاذ کی حیثیت سے کرایا: "اِنما بعثت معلّما"[5] "مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔" ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجدِ نبوی کے صحن میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک طرف حلقۂ ذکر ہے اور دوسری طرف حلقۂ درس وتدریس، تو آنحضرت ﷺ حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔[6] نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں دارِارقم نامی اسلام کے پہلے مدرسے کی بنیاد رکھی اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد مسجدِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعمیر فرمائی اور اس سے ملحق احاطے میں نہ صرف تعلیم گاہ (مدرسہ) قائم فرمائی، بل کہ ساتھ میں طلبہ کرام کی رہائش کے لیے ہاسٹل بھی قائم فرمایا، جس میں ستّر، اسّی اور بعض اوقات چار سو کی تعداد میں طالبانِ علم فیض یاب ہوتے تھے۔[7]

ہجرت کے بعد رسالت مآب ﷺ نے اہم جنگی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود مدینہ طیبہ سے ناخواندگی کے خاتمے کے لیے اپنی شخصی نگرانی میں حضرت سعید بن العاص کا تقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھائے۔ یہ صحابی بہت خوشنویس بھی تھے، چناں چہ ایک روایت کے مطابق ان کو "معلّم حکمت" بنایا گیا تھا[8]، جس سے لکھنے پڑھنے کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کو خواندگی سے اتنی دل چسپی تھی کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ستّر کفار جنگِ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان میں سے جو لوگ اپنی آزادی کے لیے فدیہ نہیں دے سکتے تھے، ان کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔[9] تعلیم کے معاوضے میں قیدیوں کی آزادی، تاریخِ عالم کا منفرد و یکتا واقعہ ہے، جس سے اسلام کی نظر میں اشاعتِ علم کی اہمیت بہ خوبی واضح ہو جاتی ہے۔

نظامِ تعلیم

نظامِ تعلیم ایک کلی وحدت کا نام ہے، جس کے تمام عناصر باہم مربوط، منظم، مرتب، متعامل اور متعاون ہوتے ہیں۔ جن کی روح ایک ہوتی ہے اور وہ سب عناصر مشترک مقاصدِ تعلیم کے حصول کے لیے باہم متحد ہوتے ہیں۔[10]

نظامِ تعلیم کے واضح اجزاء یہ ہیں: نئی نسل کے افراد جنہیں طالب علم کہا جاتا ہے، تہذیب و ثقافت کے ترجمان یعنی استاد، تہذیب و ثقافت کی ترسیل کا پروگرام یعنی نصاب، ترسیل کی ترتیب یعنی مدارجِ تعلیم، اثرات کا جائزہ یعنی امتحان اور دیکھ بھال کا نظام یعنی انتظام۔[11]

اسلامی نظامِ تعلیم

اسلامی نظامِ تعلیم سے مراد ایسا نظامِ تعلیم ہے، جس میں تعلیمی نصاب کے تمام اجزا کو اسلامی اصول و نظریات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہو، قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات کو لازم قرار دیا گیا ہو۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں کی دینی واخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا ہو، تاکہ ایک طالب علم اپنے فن میں مہارت کے ساتھ ایک اچھا مسلمان بھی ہو، اس کے دل میں خوفِ خدا اور تقویٰ ہو اور وہ ملک وملت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو۔

مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کا تاریخی جائزہ

نبوت کے پانچویں سال میں انتہائی نامساعد حالات میں نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں کوہِ صفا پر اسلام کے سب سے پہلے مدرسے "دارارقم" کی بنیاد رکھی، جس میں جبرئیل امین کے واسطے سے نازل ہونے والا الٰہی فرمان اور دربارِ نبوت سے صادر ہونے والے الفاظ واعمال یعنی قرآن وحدیث ہی مسلمانوں کا نصابِ تعلیم تھا۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد پہلے پہل قبا کی بستی میں قیام فرمایا، یہاں آپ ﷺ نے ایک مسجد تعمیر فرمائی، جس میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جاتی تھی اور عبادت کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بعد از ہجرت مسجدِ قبا تعلیم و تعلّم کا مرکز بھی تھی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد محلۂ بنونجار میں مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، جس کے شمالی جانب ایک چبوترہ بنایا گیا جو باقاعدہ ایک رہائشی مدرسہ (Residential University) تھا، جس میں اصحابِ صفہ رہا کرتے تھے۔ اس مدرسے کے معلّمِ اول بذاتِ حضور اکرم ﷺ تھے۔ صحابہ کرام آپ ﷺ سے قرآن کریم

حفظ کرتے، تجوید کے قواعد سیکھتے، احادیث مبارکہ یاد کرتے، کتابت و خطابت کے فن میں مہارت حاصل کرتے۔ اس جامعہ میں بغیر کسی امتیاز کے ہر خاص وعام تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ پھر مسجد نبوی کے علاوہ مزید نو مساجد میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا، جہاں قرآن کریم کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا اور لکھنے کی مشق بھی کرائی جاتی تھی۔[12]

حضرت عمر بن خطاب کے دورِ خلافت میں اسلامی مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ آپ نے سب سے پہلے مکتب قائم کر کے عامر بن عبداللہ خزاعی کا بہ طور معلم تقرر فرمایا اور بیت المال سے ان کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ کند ذہن بچے کے لیے تختی پر لکھیں اور ذہین بچے کو زبانی تعلیم دیں۔ اس حکم کے مطابق عامر بن عبداللہ صبح سے شام تک مکتب میں بیٹھے رہتے۔[13] آپ نے خاص طور پر خانہ بدوشوں کے لیے جبری طور پر قرآن حکیم کی تعلیم کا نظام قائم کیا، چنانچہ آپ نے ابوسفیان نامی ایک شخص کو چند اشخاص کے ساتھ مامور کیا تھا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو، اس کو سزا دیں۔[14] آپ نے اپنے دورِ خلافت میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف مکاتب قائم کیے، جن میں اساتذہ کرام کی تنخواہ کا باقاعدہ انتظام تھا اور جمعہ کا دن چھٹی کا دن ہوتا تھا۔ مکاتب کے ابتدائی تعلیم بڑی حد تک سرکاری تحویل میں تھی۔[15] اس دور میں سرکاری انتظام میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث، سیرت، غزوات، فقہ، عربی ادب، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی تعلیم بلا معاوضہ ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلبہ کے لیے وظائف کا بھی انتظام تھا۔[16] مدینہ منورہ سے جب علوم کی سوتین پھوٹیں تو یہی شہر مرکزِ علم بنا اور "دار السنۃ" کے لقب سے ملقب ہوا[17] پھر جب عہدِ مرتضوی میں مرکزِ خلافت عراق منتقل ہوا تو کوفہ وبصرہ کو یہ امتیاز حاصل ہوا، اس کے بعد بغداد اور نیشاپور مشرق میں، قیروان اور قرطبہ مغرب میں علم کے شہر قرار پائے، چناں چہ علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں: "جب اسلام کے ابتدائی دور میں بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ میں تمدن پھیلا اور عمرانی ترقی درجۂ کمال کو پہنچ گئی تو یہاں علم کے سمندر جوش مارنے لگے اور یہاں کے باشندے تعلیمی اصلاحات، علوم کی اقسام اور استنباطِ مسائل میں اجتہادی صلاحیتیں دکھانے لگے، لیکن جب یہاں تمدن کو زوال آیا اور یہاں کے باشندوں میں ابتری پیدا ہو گئی تو وہ بساطِ علم الٹ گئی اور تعلیم و تعلم مفقود ہو کر یہاں سے دوسرے شہروں کی طرف منتقل ہو گئے۔"[18]

اس کے بعد جن اسلامی شہروں کو سیاسی حیثیت سے بلندی حاصل ہوئی اور ان کی تمدنی ترقی کا دور آیا وہی شہر تعلیم کے مرکز بھی قرار پائے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: "جب بغداد، بصرہ اور کوفہ جیسی علم کی کانیں مٹ گئیں تو اللہ تعالی نے ان سے بڑے بڑے شہر پیدا کیے اور علم کا مرکز وہاں سے عراق عجم میں منتقل ہو کر خراسان وماوراءالنہر میں قائم ہو گیا اور پھر قاہرہ میں منتقل ہوا اور چونکہ قاہرہ کی تمدنی حیثیت مسلسل قائم رہی، اس لیے یہاں علم کا مرکز بھی ہر زمانہ میں موجود رہا۔"[19]

غارِ حراء سے "اقراء" کا پیغام شروع ہوا، دار ارقم سے تعلیم کا نظام قائم ہوا اور سو سال کے عرصے میں تعلیم کو اتنی ترقی ملی کہ فتوحاتِ اسلامی کا دائرہ جتنا پھیلا، تعلیم کا دائرہ اس سے بھی زیادہ بڑھتا چلا گیا، چنانچہ علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

"جو شخص بھی تاریخ کا ادنی سا علم رکھتا ہے، وہ یقیناً جانتا ہے کہ تابعین نے اقصیٰ سندھ اور خراسان کے کناروں سے لے کر آرمینیہ، آذربائیجان، موصل، دیارِ ربیعہ، دیارِ مضر، شام، مصر، افریقہ، اندلس کے آخری کناروں، بربر قوم کی دور دراز سرزمین، حجاز، یمن، جزیرۂ عرب، عراق، اہواز فارس، کرمان، سجستان، کابل، اصفہان، طبرستان، جرجان اور کوہستانی علاقوں میں اسلام پھیلایا اور گوشے گوشے کو علم کے نور سے منور کیا۔"[20]

نظام الملک طوسی (م ۴۸۵ھ) نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں ایک ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔[21]

ابن الشجری (م ۵۴۲ھ) نے لکھا ہے کہ "بغداد میں "مدرسہ نظامیہ" کے قائم کرنے کے بعد نظام الملک نے نیشاپور، بلخ، ہرات اور بصرہ میں نظامیہ مدارس قائم کیے، ان میں طلبہ اور اساتذہ کی رہائش، خوراک اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کا معقول نظم تھا۔ طلبہ کے لیے کتابیں، کاپیاں اور تدریسی سامان مہیا کیا جاتا تھا۔ مصارف پورے کرنے کے لیے نظام الملک نے مختلف شہروں میں ان مدارس کے لیے اوقاف قائم کر دیئے تھے۔ جہاں سے اساتذہ کو مشاہرے اور طلبہ کو وظائف ملتے تھے۔"[22]

مؤرخ قلقشندی (م ۸۲۱ھ) نے آٹھویں صدی کے ہندوستان کے بارے میں لکھا ہے: "صرف دلی میں ایک ہزار مدرسے تھے۔"[23]

ریاست مدینہ کے قیام (۱ھ) سے لے کر خلافت عثمانیہ (۱۳۴۲ھ) کے خاتمے تک اور محمود غزنوی کے دور حکومت (۴۲۱ھ) سے لے کر اورنگزیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) تک مسلم دور حکمرانی کے نظام تعلیم کا جائزہ لیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ بحثیت مجموعی تمام شعبہ جات میں مسلمانوں کے تشکیل کردہ تعلیمی نظام میں دنیا کی اقوام ترقی کرتی رہیں۔ مسلمانوں کا فکر وحدت انسانیت یعنی سیاسی نظام امن وامان کا، معاشی نظام مساوات کا اور بلا تفریق سماجی انصاف کے اصول پر ہر ایک کے حقوق کا ضامن رہا۔ طبقاتیت سے بالاتر ہو کر تمام رعایا کو تعلیم کے مواقع فراہم کرتا رہا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے نظام تعلیم نے نظریاتی علوم میں عظیم ترین مفکر پیدا کیے۔ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) سے لے کر امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) تک اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ) سے لے کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (م ۶۳۳ھ) تک بزرگان دین کا ایک تسلسل ہے جنہوں نے جامع تصور حیات کی فکر پر رائے عامہ کی ذہن سازی کی۔ سائنس کے شعبہ میں بڑے بڑے ریاضی دان، ماہرین طبعیات، فلکیات اور جغرافیہ دان پیدا کر کے مستقبل کی ترقیات کی بنیادیں ڈالیں۔ ان مدارس میں دینی و دنیاوی ہر طرح کے علم کی تعلیم دی جاتی تھی، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے متقدمین میں بعض ایسے اہلِ علم و فضل بھی گزرے ہیں جو کسی دینی علم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علم میں بھی مہارت رکھتے تھے، مثال کے طور پر ابن الہیثم (م ۴۳۰ھ) ماہر فلکیات، ریاضی دان اور علم بصریات کا ماہر تھا۔[24] بو علی ابن سینا (م ۴۲۸ھ) کی شہرت عظیم طبیب کی حیثیت سے ہے۔ ان کی کتاب "القانون فی الطب" ایک ہزار سال سے طبّی نصاب کی اہم ترین کتاب ہے۔ علم تفسیر میں بھی انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں اور اس کے ساتھ فلسفہ میں بھی انھیں درک و کمال حاصل تھا۔[25] ابن رشد الحفید (م ۵۹۵ھ) بیک وقت طبیب بھی تھے، فلسفی بھی اور فقیہ بھی۔ فقہ میں ان کی کتاب "بدایہ المجتہد"، فلسفہ میں "تھافت التھافت" اور طب میں "کتاب الکلیات"، یہ تینوں اب تک مرجعِ خلائق ہیں اور مشرق و مغرب میں ان سے بھرپور استفادہ کیا جا رہا ہے۔[26]

یہی وہ تاریخی حقیقت ہے، جس کا اعتراف مغرب کے نامور مصنفین اور مستشرقین کو بھی ہے۔ مغرب کا معروف مستشرق اے، جے، آربری معروف عرب مصنف ڈاکٹر احمد سلمی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" کے پیش لفظ میں اعترافِ حقیقت کے طور پر لکھتا ہے "بنی نوع انسان پر اسلام کی تحسین و توصیف اور شکر گزاری واجب ہے، مسلمانوں نے علم و ادب اور فنون و سیاست میں جو اضافے کیے ہیں، ان کے متعلق بہت لکھا جا چکا ہے، یہ کامیابیاں اور کامرانیاں ہرگز حاصل نہ ہوتیں، اگر مسلمانوں کو علم سے پُرجوش عقیدت نہ ہوتی، جو ہمیشہ ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے، مسلمان مردوں اور عورتوں نے یکساں طور پر پوری عقیدت کے ساتھ پیغمبر ﷺ کے حکم پر عمل کیا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"[27]

عہدِ نبوی ﷺ کی تعلیمی درسگاہیں

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی، اس کی تعلیم و تدریس کا آپ ﷺ باقاعدہ اہتمام فرماتے تھے۔ آغازِ اسلام میں بعض صحابہ کرام کے گھروں کو تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا گیا، جو مشرکین کی ایذا رسانیوں سے محفوظ ہوتے۔ مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد مرکزی درسگاہ کے طور پر مسجدِ نبوی کو مقرر فرمایا۔ عمومی طور پر مساجد ہی وہ مقامات تھے جہاں علم و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے اور مختلف فنون کی تعلیم دی جاتی۔ ذیل میں چند اہم تعلیمی درسگاہوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

مکی درسگاہیں

۱۔ پہلی درسگاہ مسجدِ ابوبکر: حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے گھر کے صحن میں بنائی، جہاں وہ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔[28]

۲۔ دوسری درسگاہ بیتِ فاطمہ بنت خطاب: جہاں حضرت فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید سمیت پوری ایک جماعت حضرت خباب سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کیا کرتی تھی۔[29]

۳۔ دارِ ارقم بن ابی الارقم: آغازِ اسلام ہی سے مکہ مکرمہ میں رسولِ اکرم ﷺ نے نامساعد حالات کے باوجود ایک درسگاہ اور تربیت گاہ کا اہتمام فرمایا، جسے تاریخ ''دارِ ارقم'' کے نام سے جانتی ہے۔ یہ ارقم بن ابی الارقم کا گھر تھا، جو صفا کی پہاڑی پر واقع تھا اور کفار کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے پانچویں سال اسی مکان کو اپنی دعوت، اجتماع اور تعلیم کا مرکز بنایا۔[30] اسی دارِ ارقم میں خلیفۂ دوم، امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے، جو اسلام کی شان و شوکت میں اضافے کا باعث بنا۔[31]

مدنی درسگاہیں

۱۔ مسجدِ قبا: رسالت مآب ﷺ نے مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد پہلے پہل قبا کی بستی میں قیام فرمایا۔ اس جگہ آنحضرت ﷺ نے ایک مسجد تعمیر فرمائی ، جو ہجرت کے بعد مسلمانوں کے تعلیم و تعلم کا مرکز تھی۔[32]

۲۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر اور صفہ یونیورسٹی کا قیام: نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے بنو نجار کے محلے میں مسجدِ نبوی کی تعمیر فرمائی۔ اسی مسجد کے شمال کی طرف ایک چبوترہ بنایا گیا جسے عربی میں ''صفہ'' کہا جاتا ہے۔ فقراء و مہاجرین صحابہ کرام اسی جگہ رہا کرتے تھے۔[33] ''یہ اصحابِ صفہ تھے جن کے معلم و مربی آنحضرت ﷺ ہی تھے، جو حضورِ اقدس ﷺ سے دینِ اسلام کی باتیں سیکھتے، قرآنِ مقدس زبانی یاد کرتے، تجوید کے قواعد سیکھتے، نبی ﷺ کی احادیث حفظ کرتے، کتابت و خطابت کے فن میں مہارت حاصل کرتے اور عسکری تربیت وغیرہ حاصل کرتے۔''[34] اس جامعہ میں بغیر کسی امتیاز کے ہر خاص و عام شخص تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔[35] اسی طرح یہاں تعلیم حاصل کرنے والے فارسی، رومی، حبشی، ہندی، شامی، الغرض ہر قوم و نسل کے افراد تھے۔[36] اس درسگاہ کے طالبعلم مرد بھی تھے، خواتین بھی؛ صحیح الجسم بھی، اور معذور و نابینا افراد بھی۔[37]

ایک خوش نویس معلم حضرت سعید بن العاص کو حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کے لیے مقرر فرمایا تھا۔[38] آں حضرت ﷺ نے جنگِ بدر میں گرفتار ہونے والے ساٹھ یا ستر قیدیوں کو، جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے، ان کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مدینہ طیبہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔[39] بہت سے حضرات وفود کی شکل میں تحصیلِ علم کے لیے آتے، اور پھر واپس اپنے اپنے علاقوں میں جا کر علمی خدمات بجالاتے۔ ان وفود میں وفد عبدالقیس، وفد ثقیف، وفد خولہ، وفد تجیب، وفد سَلامان، وفد تمیم، وفد بجیلہ، وفد نَخَع، وفد مزینہ کے تذکرے ملتے ہیں۔ ان وفود میں دو چار افراد سے لے کر چار سو افراد تک کی تعداد بیان کی گئی ہے۔[40] خود حضور اقدس ﷺ مختلف قبائل و علاقوں میں علمائے کرام کو تدریس کے لیے بھیجا کرتے تھے، جیسے جدیلہ کے دو قبائل عَضل اور قارہ کے مطالبے پر چھ علمائے کرام مرثد بن ابی مرثد کی سربراہی میں بھیجے۔[41] اہلِ یمن کے مطالبے پر حضرت علی کو معلّم بنا کر بھیجا[42]، پھر حضرت ابو عبیدہ کو بھیجا،[43] ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا[44]

۳۔ مدینہ منورہ کے دیگر تعلیمی مراکز: مسجدِ نبوی اور صفہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں نو اور بھی مساجد و درسگاہیں تھیں، جن میں نماز ادا کی جاتی تھی اور صحابہ کرام وہاں جمع ہوتے تھے۔ یہی مساجد گرد و نواح کے رہنے والوں کے لیے درسگاہوں کا درجہ رکھتی تھیں جن میں بچوں، بڑوں سبھی کو بغیر کسی امتیاز کے تعلیم دی جاتی تھی اور دینی امور کے ساتھ ساتھ دیگر فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں ایک گھر مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا تھا جو دار القراء کے نام سے مشہور تھا اور صحابہ کی تعلیم کا مرکز تھا۔[45]

اسلامی نظامِ تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ

آں حضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد مسجدِ نبوی ﷺ کے شمالی جانب میں ''صفّہ'' کے نام سے رہائشی مدرسہ قائم فرمایا۔ اس مدرسے کے ناظمِ تعلیمات اور معلّم آنحضرت کی ذاتِ گرامی تھی اور متعلّم حضرات صحابہ کرام تھے، اس مدرسے کے نظام ہی سے اسلامی نظامِ تعلیم کے بنیادی اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں، جس کے اہم پہلو درج ذیل ہیں:

۱۔ لازمی تعلیم

دینِ اسلام نے تعلیم و تعلّم کی اہمیت کے پیشِ نظر بنیادی تعلیم کو ہر فرد کے لیے لازمی قرار دیا اور یہ واضح کیا کہ اسلام میں اختیاری تعلیم کا کوئی تصور نہیں

ہے۔[46]اس لیے کہ تعلیم ایسی چیز ہی نہیں جسے عوام الناس کی مرضی پر چھوڑا جاسکے؛ کیوں کہ ناخواندہ افراد تو علم ہی نہیں رکھتے،ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے؟ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرے اور انہیں علم کے حصول پر آمادہ کرے۔اسی لیے معلّمِ اعظم حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''علم کا حصول ہر ایک مسلمان پر فرض ہے''۔[47]آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ہر نو مسلم کے لیے مختلف علوم کا جاننا ضروری تھا، جس کے لیے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے۔حضرت عمر نے خاص طور پر خانہ بدوشوں کے لیے قرآن مقدس کی تعلیم جبری طور پر قائم کی، چناں چہ آپ نے ابوسفیان نامی شخص کو چند افراد کے ساتھ پابند کیا تھا کہ مختلف قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو،اس کو سزا دیں۔[48]

۲۔حصولِ علم کو آسان بنانا

اسلام نے تعلیم و تعلم کا نظام انتہائی آسان بنایا ہے، چناں چہ ارشادِ نبوی ہے: ''خود علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔''[49]آنحضرت ﷺ نے ہر مسلمان، عالم کی یہ ذمہ داری لگائی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے۔[50]ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو نہ فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، نہ علم سکھاتے ہیں، نہ وعظ کرتے ہیں، نہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، نہ برائی سے منع کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کو کیا ہوگیا کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے نہ علم سیکھتے ہیں، نہ فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔اللہ کی قسم لوگوں کو اپنے پڑوسیوں کو ضرور علم سکھانا چاہیے''[51]رسالت مآب ﷺ کے اس خطبے سے یہ راہ نمائی ملتی ہے کہ تعلیم لازمی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کے ذرائع بھی عام اور آسان ہونے چاہیے، بل کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو بنیادی تعلیم بلامعاوضہ فراہم کرے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کے اپنے دورِ خلافت میں سرکاری انتظام میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث، سیرت وغزوات، فقہ، ادب عربی، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی تعلیم بلامعاوضہ ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلبہ کے لیے وظائف کا بھی انتظام تھا۔[52]

عہدِ نبوی ﷺ اور اس کے بعد کئی صدیوں تک تعلیم بالکل مفت فراہم کی جاتی تھی اور دینی مدارس آج بھی اسی روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

۳۔مساوی نظام تعلیم کا قیام

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے حصولِ علم کو ہر انسان کا بنیادی حق قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں آزاد و غلام، مرد و عورت اور غریب و مال دار کے فرق کو ختم کیا اور ہر ایک کو تعلیم کا مساوی حق دار قرار دے کر تعلیم پر کسی قوم، یا جماعت کے قبضے اور اجارہ داری کو ناجائز قرار دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں غریب اور نادار صحابہ کرام تشریف فرماتھے کہ چند مال دار کافر آئے اور کہا کہ ہم آپ کی مجلس میں اس شرط پر بیٹھیں گے کہ ان غریب افراد کو اپنے سے دور کیجیے۔اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی ''وَلَا تَطۡرُدِ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ رَبَّهُم بِٱلۡغَدَوٰةِ وَٱلۡعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجۡهَهُۥ''[53]''اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالیے، جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پکارتے رہتے ہیں۔''[54]

اس سے معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام تعلیم مساوی تھا، جس میں مال دار اور غریب کا کوئی فرق نہ تھا۔اس فلسفے کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہمیں بھی چاہیے کہ وہ اپنا نظامِ تعلیم اس طرح بنائیں کہ ملک کے جس حصے میں اور جس تعلیمی ادارے میں کوئی شخص تعلیم حاصل کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہ ہو،اسی طرح وہ ادارے جو مال دار طبقے کے لیے بنائے گئے ہیں،ان تک بھی غریب باصلاحیت بچوں کی رسائی کو ممکن بنایا جائے،البتہ اس حوالے سے مدارس کا نظامِ تعلیم مساوی ہے، کسی بھی مدرسے میں مال دار اور غریب کا کوئی فرق نہیں۔ملک کے چھوٹے سے مدرسے سے لے کر بڑے سے بڑے مدرسے میں کوئی بھی شخص تعلیم حاصل کرنا چاہے، حاصل کرسکتا ہے۔

۴۔تعلیم کے لیے پاک وصاف اور صالح ماحول مہیا کرنا

تعلیم و تعلّم کے لیے ضروری ہے کہ ایسے صالح اور صاف ستھرے ماحول میں اس کا بندوبست کیا جائے کہ ماحول کی ہر شے تعلیم کے حصول میں معاون ثابت ہو،اسی طرح طالبعلم کو بھی تعلیمی ادارہ،گھر،ملک، حکومت،اساتذہ کرام کی جانب سے انسیت ولگاؤ، خیرخواہی اور ہمدردی حاصل ہو۔سنن ترمذی میں ہے: ''

جناب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے فرمایا کرتے تھے کہ لوگ آپ کے پیروکار ہیں اور یقیناً لوگ زمین کے کناروں سے تمہارے پاس علمِ دین حاصل کرنے کی غرض سے آئیں گے، چناں چہ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔[55]

عہد نبوی ﷺ میں نظامِ تعلیم کے بنیادی عناصر

کسی بھی تعلیمی عمل کا جائزہ لیا جائے تو اس کے چار بنیادی عناصر ہوتے ہیں:

۱۔ مقاصدِ تعلیم، ۲۔ نصابِ تعلیم، ۳۔ معلّم، ۴۔ متعلّم۔ ان چار عناصر کا جائزہ لینے سے عہد نبوی ﷺ کے نظامِ تعلیم کا صحیح علم ہو سکے گا۔

۱۔ مقاصدِ تعلیم

اسلام کی نظر میں مقاصدِ تعلیم نہایت واضح ہیں، وہ انسان کو فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ انسان کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ اس کائنات کے لیے ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو، اور اس کو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کے مواقع مل سکیں۔ ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت مقاصد تعلیم پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

معرفتِ الٰہی

اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان کو معرفتِ الٰہی حاصل ہو، تاکہ اسے ہدایتِ الٰہی نصیب ہو اور وہ دونوں جہانوں کی بھلائیاں سمیٹ سکے، لہذا نصاب تعلیم و نظام تعلیم کی تشکیل میں اس نکتے کو سامنے رکھنا ہوگا۔ ہدایت یافتہ لوگ قرآن کریم کی نظر میں کون ہیں؟ فرمایا: "پس آپ خوش خبری سنائیں میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں، پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور یہی لوگ عقل والے ہیں۔"[56]

سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں: "سب سے افضل علم، اللہ کی معرفت ہے اور اللہ کے حکم کا علم ہے۔ پس جب بندہ اللہ رب العزت کی معرفت رکھنے والا، اللہ کے حکم کو جاننے والا ہو جائے، تو گویا وہ کمال کو پہنچ گیا۔ بندوں تک اللہ کی معرفت اور اللہ رب العزت کے حکم کے علم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں پہنچی، اور ان تک اللہ سے جہالت اور اللہ کے حکم سے جہالت سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں پہنچی۔"[57]

کنز العمال میں ہے: "افضل ترین علم اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی نفع دے جاتا ہے، مگر جہالت کے ساتھ زیادہ عمل بھی فائدہ نہیں دیتا۔"[58]

اللہ جل شانہ اور رسول کریم کی اطاعت

تعلیمی مقاصد میں سے سرفہرست یہ ہے کہ ہماری تعلیم اللہ جل شانہ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کی تلقین کرے، اور ہمیں اس جانب راغب کرے، کیوں کہ ایک مسلمان کی پوری زندگی کا محور و مرکز یہی ہے اور اسی میں اصلی، دائمی اور حقیقی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے: "اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، سو وہی عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوا۔"[59]

قرآن و سنت کی صحیح فہم

ہماری تعلیم کا بنیادی مقصد قرآن و سنت یعنی دین کی صحیح فہم اور سمجھ ہونا چاہیے، کیوں کہ یہی مطلوب ہے، اور اسی پر انسانی زندگی اور دونوں جہانوں کی کامیابی کا مدار ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: "اللہ جس کے ساتھ بھائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔"[60]

تکمیل حیات و تعمیر کردار

اسلام تکمیل حیات اور تعمیرِ سیرت و کردار پر بہت زور دیتا ہے، اس لیے اس کی خواہش ہے کہ تعلیمی نظام بھی اس ضرورت کو احسن طریقے سے پورا کرے اور تعلیمی اداروں سے باہر آنے والی نسل بھی ایسی ہو جس کا کردار خود غلط کارروں کی درستی و ہدایت کا سبب بنے، نہ یہ کہ ان کے لیے الگ سے (حصولِ تعلیم کے بعد) تعلیم و تربیت کے حوالے سے محنت کی ضرورت پڑے، چناں چہ تربیت و تعمیرِ اخلاق و کردار کی ضرورت بیان کرتے ہوئے امام غزالی (م ۵۰۵ھ) فرماتے

ہیں: تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوان ذہن کے علم کی پیاس بجھادے، بل کہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہیے۔[61]

معاشرتی تقاضوں کا فہم

اسلام زندگی کے سارے شعبوں میں انسان کو بھرپور انداز میں رواں دواں و سرگرم دیکھنا چاہتا ہے، اس لیے ہمارا نظام تعلیم نوجوانوں کو مطالباتِ زندگی کی تکمیل کے لیے تیار کرے، انہیں معاشرے کی گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کے لائق بنائے، اور انہیں ان کے مذہبی، تہذیبی، معاشی و معاشرتی فرائض سمجھائے، اور ان کے حقوق سے آگاہ کرے، کیوں کہ اسلام میں رہبانیت کا تصور نہیں۔ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إني لم أومر بالرهبانية''[62] ''مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ترکِ دنیا کا درس نہیں دیتا، بل کہ وہ تو دنیا و آخرت، دونوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔[63]

ضروریاتِ زندگی

ہر انسانی معاشرے کو بہت سی اقتصادی، سماجی، معاشی، سائنسی اور فنی ضروریات پیش آتی ہیں، اسلام ہر انسانی ضرورت کو پورا کرنا چاہتا ہے، وہ کسی انسانی ضرورت کی نفی نہیں کرتا، صرف راہِ اعتدال اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، بل کہ ہر وہ علم و فن جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو، اسلام کی نظر میں اس کا حصول فرضِ کفایہ ہے، یعنی ایک گروہ ہمہ وقت ایسا تعلیم و تربیت یافتہ موجود رہنا چاہیے، جو اس انسانی ضروریات کی تکمیل کرے، اس فہرست میں تمام وہ علوم وفنون شامل ہیں، جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو۔[64] اس لیے ہمارے تعلیمی نظم میں ان ضروریات زندگی کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے، بل کہ تعلیمی نظام کو ان لوازم حیات کی تکمیل کے لیے مثبت محور پر کام کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مقاصد سے ہم آہنگ نظامِ تعلیم ہی اسلامی مقاصد کا ترجماں ہوگا اور وہی نظام اولادِ آدم کے لیے رحمت ثابت ہوگا۔ اس لیے سائنس و انفارمیشن ٹیکنالوجی، معاشیات و سیاسیات اور بین الاقوامی معاملات سمیت تمام اہم اور ضروری علوم وفنون کا حصول، بل کہ ان میں کامل مہارت کا پیدا کرنا مقصود ہے، اور اس وقت تک فرضِ کفایہ ہے، جب تک مسلمان ان علوم میں اعلیٰ مہارتوں کے ساتھ خود کفالت حاصل نہیں کر لیتے۔

۲۔ عہد نبوی ﷺ کا نصابِ تعلیم

نصاب تعلیم دورِ حاضر میں ایک وسیع تر اصطلاح کی صورت اختیار کر گئی ہے، جس سے مراد مدرسہ، یا اسکول کی جملہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ مبادیاتِ تعلیم میں نصاب کی یوں تعریف ذکر کی گئی ہے۔ ''نصاب ان تمام سرگرمیوں، تجربات، مہارتوں، رجحانات اور تحقیقات پر مشتمل ہوتا ہے، جو مدرسے کے زیرِ اہتمام بچوں کی ذہنی، اخلاقی، سماجی، روحانی اور معاشرتی کردار اور سیرت کی تعمیر کرتے ہیں۔[65]

عہد نبوی ﷺ کا نصابِ تعلیم حفظِ قرآن مجید، تجوید و قرأت، تفسیرِ قرآن اور حدیث کی تعلیم پر مشتمل تھا۔ عہدِ نبوی میں نصابِ تعلیم کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا۔ معینہ کتب پڑھانے کی جگہ معینہ معلّم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو پڑھا سکتا، اس سے پڑھتے۔ بہ ہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آں حضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علمِ ہیئت، علم انساب، اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔''[66]

نیز نصاب محض کلاس روم اور درسی کتب تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بل کہ اس میں وہ تمام سرگرمیاں شامل ہونی چاہیے جن کی بہ دولت ایک طالب علم کی تعمیر و ترقی اور اس کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔

تاریخ اور سیرت پر نظر رکھنے والے اہلِ علم بہ خوبی جانتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ کی تعلیم و تربیت کا ایک حصہ ہم نصابی سرگرمیوں پر بھی مشتمل ہے۔ آں

حضرت ﷺ نے دوڑ میں مسابقت، گھڑ دوڑ، اونٹ دوڑ، نیزہ بازی، کُشتی، پیراکی، برچھی چلانا، شعر گوئی اور ہنسی مزاح جیسی اہم نصابی سرگرمیاں نہ صرف رائج فرمائیں، بل کہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی[67] اور بچپن کی ہم نصابی سرگرمیوں کو عقل کی قوتوں میں اضافے کا سبب قرار دیا۔[68] اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ کے نظامِ تعلیم میں نصاب تعلیم لچک دار تھا۔ جس قسم اور جس وقت کے حالات اور تقاضے سامنے آتے تھے، ان کے مطابق ان کے حل تلاش کرنے کا طریق کار وضع کر لیا جاتا تھا۔[69]

ہمیں چاہیے کہ اسوۂ نبوی ﷺ سے راہ نمائی لیں، اپنے نصابِ تعلیم کو وقت کے تقاضوں کے مطابق وضع کریں اور تدریسی نصاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں کی طرف طلبہ کرام کو متوجہ کریں اور ان میں شرکت پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کریں۔

۳۔ اساتذہ اور معلمین

نظامِ تعلیم میں اساتذہ کرام کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد معلّم اور استاد ہونا فرمایا۔[70] آں حضرت ﷺ نے اپنے قابل اصحاب کی اس طرح سے تعلیم و تربیت فرمائی تھی کہ وہ دوسروں کے لیے معلّم اور مشعلِ راہ بنے اور انھوں نے دورِ نبوی ﷺ ہی میں معلّم ثانی کا فریضہ انجام دیا۔ یہ آں حضرت ﷺ کے مکتب ہی کی کرامت تھی کہ ایسے نابغہ روزگار شخصیات تربیت یافتہ ہوئیں، جنھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں دنیا کی تقدیر ہی بدل ڈالی۔

اسوۂ نبوی ﷺ سے سبق لیتے ہوئے ہمیں بھی اپنے تعلیمی اداروں میں ایسے قابل اور باصلاحیت اساتذہ کرام کا انتخاب کرنا چاہیے، جن کا علم جامع ہو اور کردار مثالی ہو۔

۴۔ متعلّمین

نظامِ تعلیم میں اساتذہ کرام کی طرح متعلّمین کی بڑی اہمیت ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ’’جو علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا اور علم حاصل کرنے والے کی خوشی کے لیے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں‘‘۔[71]

آں حضرت ﷺ کی درس گاہ میں ہر طبقے کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، اعیان واشراف، روساء قبائل، ملوک واقیال، عالم، جاہل، بدوی، عربی، عجمی، بوڑھے، جوان، بچے سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے، اور رسولِ اکرم ﷺ سب کے احوال وظروف، ذہن ومزاج، افتادِ طبع، اور زبان ولب ولہجہ کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ درس گاہِ نبوی کے ان طلبہ میں اصحابِ صفّہ کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، وہ رات دن حاضر باش رہتے تھے۔ تعلیم و تعلّم، ذکر واذکار، تلاوت قرآن اور باہمی مذاکرہ ومراجعہ کے علاوہ ان کو اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔[72] بہترین نظامِ تعلیم کا تقاضہ ہے کہ طلبہ کو مثالی بنانے کے لیے ان کی ذہن سازی اور کردار سازی کی جائے۔

عہد نبوی ﷺ میں تعلیم و تعلّم کے شعبے

حضور اکرم ﷺ نے کار تعلیم کے لیے مختلف دائرے اور مختلف شعبے مقرر فرمائے:

- ایک شعبہ عمومی تعلیم کا تھا، اس میں مسلمانوں کو بنیادی ضروری نصاب کی تعلیم دی جاتی تھی۔
- دوسرا شعبہ خصوصی تعلیم کا تھا، جس کا مقصد معیاری علما اور قائدین کو تیار کرنا تھا۔
- تیسرا شعبہ خواتین کی تعلیم کا تھا، اس میں خواتین کو ضروری نصاب کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے لیے آپ ﷺ نے ہفتے میں ایک دن مخصوص کر دیا تھا اور حضرت عائشہ کو مامور فرما کر لوگوں کو تلقین فرمائی کہ دین کا آدھا علم یعنی نظام معاشرت اور خواتین کے متعلق معلومات ان سے حاصل کرو۔
- چوتھا شعبہ انفرادی تعلیم کا تھا، اس میں خاص خاص موقعوں پر خاص خاص افراد کو انفرادی توجہ سے تعلیم دی جاتی تھی۔

- پانچواں شعبہ بیرونی وفود کی تعلیم کا تھا،اس میں باہر سے حصولِ تعلیم کے لیے آنے والے وفود کو تعلیم دی جاتی تھی اور پھر ان کو قبائل میں فروغِ تعلیم کے لیے واپس بھیجا جاتا تھا۔[73]

دینی مدارس کے ذمہ داران کو بھی چاہیے کہ مدارس میں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ عوام الناس کی ضروریات اور مصروفیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مختلف نوعیت کے کورسز ترتیب دیں اور ایسے معلمین واساتذہ کو مقرر کریں، جو موزوں اوقات میں عوام الناس کو انفرادی طور پر تعلیمو راہ نمائی فاہم کر سکیں۔اس طرح مدارس نہ صرف علمائے کرام تیار کرنے کا فریضہ سرانجام دیں گے، بل کہ عام مسلمانوں کی دینی واخلاقی تربیت میں بھی مؤثر کردار ادا کر سکیں گے۔

معاشرے کے مختلف طبقات کے لیے نظامِ تعلیم، سیرت النبیﷺ کی روشنی میں

معاشرے کے افراد کا جائزہ لیا جائے تو انہیں چار طبقات (بچوں، بالغوں، خواتین اور معذوروں) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے،آں حضورﷺ کی سیرت طیبہ سے چاروں طبقات کے لیے قابلِ تقلید راہ نمائی ملتی ہے۔

(الف)بچوں کی تعلیم

بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ان کی تعلیم کا انتظام کرنا در حقیقت خود اپنے مستقبل کو سنوارنا ہے۔حضرت عروہ بن زبیر کا قول ہے:"تم علم حاصل کرو، اگر تم قوم میں سب سے چھوٹے ہو تو کل دوسرے لوگوں میں (علم کی وجہ سے) تم بزرگ بن جاؤ گے۔"[74]حضرت عمر فرمایا کرتے:"سیادت اور برتری تک پہنچنے سے پہلے علم سیکھو۔"امام ابوعبید (م ۲۲۴ھ)اس قول کی تشریح میں لکھتے ہیں:"سیادت اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے سے پہلے بچپن ہی میں علم سیکھو، اگر تم بچپن میں علم نہیں سیکھتے تو بڑے ہو کر چھوٹوں سے علم سیکھنے میں شرماؤ گے، چناں چہ پھر جاہل ہی رہ جاؤ گے۔"[75] نیز بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے۔حضرت ابودرداء سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:"بچپن میں تعلیم حاصل کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے نقش برآب۔"[76]

آں حضرتﷺ کی سیرت طیبہ سے واضح طور پر راہ نمائی ملتی ہے کہ عہدِ نبویﷺ میں بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔اس زمانے میں مسجدِ نبوی میں جو نظامِ تعلیم جاری ہوا،اس میں بچوں کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا،انھیں سب سے پہلے قرآن پڑھایا جاتا تھا،پڑھنے لکھنے کی مشق کرائی جاتی تھی اور انھیں نشانہ بازی وپیراکی بھی سکھائی جاتی تھی۔[77]

آپﷺ کی مجلس میں عبداللہ بن عمر کا شجرۂ طیبہ کے بارے میں آں حضرتﷺ کے سوال کے جواب کا ارادہ کرنے کا واقعہ[78] سمرہ بن جندب کا احادیث یاد کرنا[79] عمرو بن سلمہ کا محض چھ سات سال کی عمر کئی سورتیں یاد کر کے اپنے قوم کی امامت کا فریضہ سرانجام دینا[80] یہ سارے واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ عہد نبویﷺ میں بچوں کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مساجد اور تھیں جن میں بچوں کی تعلیم کا نظام قائم تھا، جس کے تحت قرآن کریم کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا اور لکھنے کی مشق بھی کرائی جاتی تھی۔[81] اور لکھنے کے لیے تختی استعمال ہوتی تھی۔حضرت عمر نے سب سے پہلے مکتب جاری کر کے عامر بن عبداللہ خزاعی کو بچوں کو تعلیم دینے کا حکم دیا اور بیت المال سے ان کے لیے وظیفہ جاری کیا اور حکم دیا کہ کند ذہن بچے کے لیے تختی پر لکھیں اور ذہین بچے کو زبانی تعلیم دیں،اس حکم کے مطابق عامر بن عبداللہ صبح سے شام تک مکتب میں بیٹھے رہتے۔[82]

آپﷺ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کا نہ صرف خود اہتمام فرمایا، بل کہ اس بارے میں والدین کو تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے"۔[83] جناب رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:"آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے"۔[84]

(ب) بالغاں (جوان اور عمر رسیدہ لوگوں) کی تعلیم

تعلیم بالغاں کی اہمیت مسلم ہے۔اسلام تعلیم کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ درس گاہِ نبوی ﷺ کے عام طلبہ سن رسیدہ ہوتے تھے اور انہوں نے بڑی عمر میں رسول اللہ ﷺ سے تعلیم حاصل کی۔[85]امام بخاری(م۲۵۶ھ)فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے بڑی عمر میں علم حاصل کیا ہے''۔[86]حضرت قبیصہ بن مخارق نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگے: ''میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسی بات سکھا دیجیے جس سے اللہ مجھے نفع پہنچائے''۔[87]آپ ﷺ کے چچا عباس نے جب اسلام قبول کیا تو انہوں نے بھی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کا چچا ہوں، میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری موت کا وقت قریب ہے، مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجیے، جس کے ذریعے اللہ مجھے نفع عطا فرمائے''۔[88]

بڑی عمر کے بہت سے افراد محض اس سبب سے حصولِ علوم سے رہ جاتے ہیں کہ بچپن میں کسی مجبوری، توجہ یا وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے،اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے راہ نمائی لیتے ہوئے تعلیمِ بالغاں کے حلقے قائم کریں، جہاں بڑی عمر کے ناخواندہ افراد شرعی مسائل اور دنیاوی ضروریات کا علم اپنی ضرورت کے مطابق بہ سہولت حاصل کر سکیں۔

(ج)خواتین کی تعلیم

جہاں تک عورتوں کی تعلیم کا تعلق ہے، یہ بھی اسی قدر ضروری ہے جس قدر مردوں کی تعلیم ضروری ہے۔کوئی قوم اپنی عورتوں کو جاہل اور پس ماندہ رکھ کر دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتی،اسی لیے اسلام نے عورت کو پردے کی شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے تعلیم (خواہ دینی تعلیم ہو یا دنیاوی تعلیم) کی نہ صرف اجازت دی ہے، بل کہ اس کو اتنا ہی اہم اور ضروری قرار دیا ہے، جتنا کہ مردوں کی تعلیم کو قرار دیا۔

نبی اکرم ﷺ خود بھی عورتوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے تھے اور ان کی خواہش پر آپ ﷺ نے باضابطہ ایک دن مقرر کر دیا تھا۔[89]

آں حضرت ﷺ کے نزدیک عورتوں کی تعلیم کی اہمیت کتنی تھی،اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ آپ نے باندیوں اور خادماؤں کو علم و ادب سکھانے پر دوہرے اجر کی نوید سنائی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو اور وہ اس کو عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے اور اچھی تعلیم دلائے اور پھر اس کو آزاد کر کے شادی کر لے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے''۔[90]

آپ ﷺ نے عورتوں کو کتابت اور لکھائی سیکھنے کا بھی حکم دیا۔ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عبداللہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: ''تم نے جس طرح حفصہ کو ''نملہ'' (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھا دو۔''[91]حضرت عائشہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔اسی طرح عہدِ نبوی ﷺ میں خواتین کی ایک جماعت لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔[92]

حضرت عمر نے خواتین کی تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ان کے عہد مبارک میں حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ گھر پر بچیوں کے لیے مدرسے چلاتی تھیں۔حضرت حفصہ قرأت کے ساتھ کتابت کی تعلیم بھی دیتی تھیں اور حضرت عائشہ کا مدرسہ اعلیٰ تعلیم کا مدرسہ تھا، جہاں مرد بھی حضرت عائشہ کے درس سے استفادہ کرتے تھے، آپ پردے کے پیچھے بیٹھ کر مردوں کے سوالات کے جواب دیتی تھیں۔حضرت عمر نے مردوں کی لازمی تعلیم کی طرز پر خواتین کی لازمی تعلیم کا انتظام بھی فرمایا تھا۔آپ نے ایک قاریہ کو مقرر کیا تھا، جو گھر گھر جا کر ناخواندہ خواتین کو قرآن مجید کی تعلیم دیتی تھی اور فقہ کے مسائل سکھاتی تھی۔[93]حضرت زینب بنت ابو سلمہ ،ام الدرداء ،سعدہ بنت قمامہ ،امّ کلثوم بنت عقبہ اور کریمہ بنت مقداد لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور علم کی اشاعت میں دلچسپی لیتی تھیں۔[94]علامہ عبدالحٔی کتانی(م۱۳۸۲ھ) نے عورتوں کی تعلیم پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ خواتین حصولِ علم کے ساتھ دیگر فنون پر بھی عبور رکھتی تھیں اور ایسے کئی کاموں کی نشاندہی کی ہے جن کو خواتین سر انجام دیتی اور ان میں مہارت رکھتی تھیں۔[95]

(د)معذوروں کی تعلیم

اسلام تکریم انسانیت کا علمبردار ہے،[96]اس لیے اسلام نے زندگی کے معاملات میں ہر انسان کو رنگ و نسل یا سماجی مرتبہ سے بالاتر ہو کر مساوی حیثیت دی ہے۔[97]عام طور پر معاشرے میں معذور افراد کو زندگی کے عام معاملات اور میل جول میں نظرانداز کرنے کی روش اختیار کی جاتی ہے۔قرآنی تعلیمات نے اِس روش اور عادت کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے ہر انسان کو لائقِ عزت و وقار قرار دیا ہے۔[98]صحابہ کرام میں کئی شخصیات ایسی تھیں جو کسی نہ کسی جسمانی عذر میں مبتلا تھیں، لیکن ان کی یہ معذوری ان کو معاشرے کا قابلِ احترام اور باوقار شخص بنانے سے مانع نہیں تھی۔

حضرت عبداللہ بن مکتوم ایک نابینا صحابی ہیں،جناب رسول اللہ ﷺ کی ان سے معمولی سی بے رخی پر اللہ تعالی نے سورۂ عبس کی ابتدائی آیات نازل فرمائی،اس کے بعد حضور اکرم ﷺ عبداللہ بن مکتوم کا اتنا خیال رکھا کرتے کہ ان کو جب بھی دیکھتے تو اس کے لیے چادر بچھاتے اور کہتے: ''خوش آمدید،اے وہ شخص جن کے متعلق مجھے میرے رب نے عتاب کیا''۔[99]انہیں یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی غیر موجودگی میں کئی بار مدینہ منورہ جیسی اسلامی ریاست میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔[100]غور کیا جائے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا یہ مقام جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا قائم مقام شخص علم، عمل اور تربیت کے اعلیٰ منازل طے کر چکا ہو۔حضرت ثابت بن قیس گرانگوش اور بہرے تھے،[101]لیکن اس معذوری کے باوجود آں حضرت ﷺ نے دربارِ نبوت کا خطیب ان ہی کو تجویز فرمایا اور آپ کتابتِ وحی کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔[102]حضرت معاذ کا شمار خود عہدِ نبوی ﷺ میں اکابر فقہا میں ہوتا تھا، حال آں کہ حضرت معاذ بن جبل اپاہج تھے۔[103]جماعت صحابہ میں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ زبانِ نبوت ترجمان حقیقت سے آپ کو یہ سند عطا ہوئی کہ ''میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص معاذ بن جبل ہے''۔[104]اس سلسلے میں ایک دلچسپ روایت علامہ عبدالکریم قزوینی(م ۶۲۳ھ) نے نقل کی ہے: حدثني المنحني حدثني المزكوم يومئذ حدثني الزمن حدثني المفلوج ثنا الأثرم ثنا الأحدب ثنا الأصم ثنا الضرير عن الأعمش عن الأعور عن الأعرج عن الأعمى أن النبي ﷺ توضأ مرة مرة.''[105]اس روایت کی سند میں غور فرمائیں کہ اس میں جتنے رواۃ اور محدثین ہیں،سب کسی نے کسی معذوری میں مبتلا ہیں، لیکن ان کی یہ معذوری انہیں محدث کے اعلیٰ مقام پر فائز کرنے سے مانع نہیں بنی۔

آج بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ معذور افراد کے لیے تعلیمی ادارے، ٹیکنکل ٹریننگ سینٹر اور دیگر ضروری اداروں کے قیام پر توجہ دی جائے اور ان کے لیے جگہ جگہ زیادہ سے زیادہ ادارے قائم کیے جائیں اور انہیں معاشرے کا فعال حصہ بنایا جائے، جس میں انھیں تعلیم کے ساتھ ہاتھ کے ہنر بھی سکھائے جائیں اور تعلیمات نبویہ ﷺ کی روشنی میں ان کفالت بھی کی جائے۔

دینی مدارس: موجودہ چیلنجز اور ان کا حل

اسلامی تعلیمی نظام کا اہم اور بنیادی ستون دینی مدارس ہیں، جنہوں نے صدیوں تک اسلامی علوم کی حفاظت، تشریح اور اشاعت کا فریضہ انجام دیا ہے۔تاہم، موجودہ دور میں دینی مدارس کو متعدد داخلی اور خارجی چیلنجز درپیش ہیں جن سے نبرد آزما ہونا اور ان کا مؤثر حل تلاش کرنا ایک مثالی اسلامی تعلیمی نظام کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔

۱. عصری و سائنسی تعلیم سے محرومی

مدارس کے نصاب میں جدید عصری علوم کی عدم شمولیت کے باعث طلبہ سائنسی، معاشی، اور سماجی ترقیات سے ناواقف رہتے ہیں، جو انہیں جدید دنیا کے ساتھ ہم آہنگ ہونے سے روکتی ہے۔

۲. تعلیمی شناخت کا بحران

مدارس کے فضلائے کرام جامع علوم پڑھنے کے باوجود، سرکاری و بین الاقوامی اداروں کی نظر میں ''ناخواندہ'' تصور کیے جاتے ہیں، جو ایک علمی و سماجی ناانصافی ہے۔

۳. سماجی و حکومتی نظام میں عدم شمولیت

مدارس سے فارغ التحصیل علماء ملکی و عالمی سطح پر سیاسی، سماجی اور انتظامی اداروں میں مؤثر کردار ادا کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

۴. عالمی زبان (انگریزی) سے ناواقفیت

انگریزی زبان کی تعلیم نہ ہونے کے باعث طلبہ عالمی میڈیا، علمی مباحث اور فکری دھاروں سے جڑے رہنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

۵. سماجی مشکلات

ریاستی و سماجی نظام میں عدم شمولیت کے باعث فارغین کو عملی زندگی میں مشکلات، کم مواقع اور محدود دائرہ عمل کا سامنا ہوتا ہے۔

۶. دعوت و اصلاح کا محدود دائرہ

دعوتِ دین اور اصلاحِ معاشرہ جیسے عظیم مقاصد کا دائرہ مدارس کے فضلائے کرام کے ذریعے محدود طبقے تک ہی محدود رہ گیا ہے۔

۷. دینی طبقات کی نافعیت کا محدود اثر

دینی طبقہ معاشرے کے ایک مخصوص حلقے میں ہی فائدہ مند سمجھا جاتا ہے، جب کہ اکثریتی طبقہ خود کو ان سے غیر متعلق محسوس کرتا ہے۔

۸. معاشی مشکلات

فضلائے مدارس کو روزگار کے مواقع میسر نہ ہونے کے باعث شدید معاشی پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔

۹. احساسِ کمتری کا غلبہ

سماجی و تعلیمی تنہائی، روزگار کی کمی، اور عالمی شناخت کے فقدان کے باعث مدارس کے فضلائے کرام میں احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے۔

۱۰. اسلام کی نمائندگی کا محدود دائرہ

دینی پیغام صرف مذہبی طبقے تک محدود ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات معاشرے کے ہر طبقے تک مؤثر انداز میں نہیں پہنچ پاتیں۔

سفارشات و قابل نفاذ عملی تجاویز

۱. نصاب میں متوازن اصلاحات

مدارس کے دینی نصاب میں بنیادی اسلامی علوم کے ساتھ عصری و سائنسی مضامین (انگریزی، کمپیوٹر، معاشیات، سوشیالوجی، ماحولیاتی علوم) اس انداز میں شامل کیے جائیں کہ دینی تشخص محفوظ رہے اور طلبہ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔

۲. بین الاقوامی معیار کے کورسز کا تعارف

ایسے مختصر اور پیشہ ورانہ کورسز متعارف کروائے جائیں جو مدارس کے فضلاء کو اعلیٰ تعلیم، تحقیق، پالیسی سازی، میڈیا اور بین الاقوامی مکالمے میں کردار ادا کرنے کے قابل بنائیں۔

۳. انگریزی زبان کی لازمی تعلیم

انگریزی زبان کو محض ''زبان'' کی حیثیت سے سکھایا جائے تاکہ طلبہ عالمی علمی ورثے، فکری مباحث اور عصری مکالمے میں شامل ہو سکیں۔

۴. ریاستی و سماجی نظام کی بنیادی تربیت

طلبہ کو ملکی آئین، قانون، سیاست، معیشت اور عالمی نظام سے متعلق بنیادی آگاہی دی جائے تاکہ وہ باشعور اور فعال شہری بن سکیں۔

۵. دعوت و اصلاح کے دائرے میں وسعت

کمیونٹی سینٹرز، جامعات، تھنک ٹینکس، میڈیا اور تعلیمی اداروں میں دینی نمائندگی کے لیے فضلائے مدارس کی تربیت کی جائے۔

۶. معاشی خود کفالت کے لیے پیشہ ورانہ تربیت

مدارس میں ہنر مندی، کاروباری تربیت اور پیشہ ورانہ کورسز شامل کیے جائیں تاکہ طلبہ معاشی طور پر خود کفیل ہو سکیں۔

۷. دینی نمائندگی کو وسعت دی جائے

دینی طبقے کو جدید تعلیم یافتہ طبقے سے جوڑنے کے لیے مکالماتی فورمز تشکیل دیے جائیں تاکہ اسلام کا پیغام ہر طبقے تک مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔

۸. دینی قیادت اور حکومت کے مابین تعاون

نصاب، اسناد، امتحانات اور اصلاحات کے لیے ایک مشترکہ بورڈ قائم کیا جائے جس میں دینی مدارس اور ریاستی نمائندگان شامل ہوں، تاکہ باہمی تعاون کے ساتھ مؤثر پالیسی سازی ممکن ہو۔

خلاصہ کلام

دینی مدارس اسلامی تہذیب کے محافظ اور دینی شعور کے مرکز ہیں، مگر جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث مختلف چیلنجز کا شکار ہیں۔ اگر نصاب، تربیت، زبان، اور دعوت کے میدانوں میں تدریجی و حکیمانہ اصلاحات کی جائیں تو مدارس کے فضلائے کرام نہ صرف دین کے مؤثر داعی بن سکتے ہیں، بل کہ عصری سماج میں قائدانہ کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے دینی و عصری فہم کا امتزاج، اور حکومت و مدارس کا باہمی اعتماد از حد ضروری ہے۔

حوالہ جات:

[1]البخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، الصحیح، دار طوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ، ج ۱ ص ۷ الرقم ۳

[2]الزمر ۳۹:۹

[3] الترمذی، محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) السنن، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء، ج ۴ س ۳۸۵ الرقم ۲۶۴۶

[4] البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین (م ۴۵۸ھ) شعب الایمان، ریاض، مکتبۃ الرشد، ۱۴۲۳ھ، ج ۳، ص ۲۱۸، الرقم ۱۵۷۲

[5] ابن ماجہ، محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ) السنن، دمشق، دار الرسالۃ العالمیۃ ۱۴۳۰ھ، ج ۱ ص ۱۵۵، الرقم ۲۲۹

[6]ایضاً

[7]ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م ۱۴۲۳ھ) عہد نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی ۱۹۸۱ء، ص ۱۹۶

[8]ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد (م ۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، مصر، مکتبۃ الخانجی، ۱۴۲۱ھ، ج ۲ ص ۲۰

[9]ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۱۹۵

[10]پروفیسر، محمد امیر ملک، نظامِ تعلیم کی اسلامائزیشن، ایک نعرہ یا حقیقت، پاکستان کا نظامِ تعلیم، لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق، ۲۰۰۰ء، ج ۱ ص ۸

[11]حمیرا اقبال، تعلیمی زاویے، دینی مدارس کا نظامِ تعلیم، م۔ن، ۱۹۹۶ء، ص: ۶۲

[12]البلاذری، احمد بن یحیٰ (م ۲۷۹ھ) انساب الاشراف، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۷ھ، ج ۱ ص ۳۲۳

[13]النفراوی احمد بن غانم (م ۱۱۲۶ھ) الفواکہ الدوانی، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۵ھ ج ۱ ص ۳۰

[14]العسقلانی، ابن حجر، (م ۸۵۲ھ) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ، ج ۱ ص ۲۹۸۔ نعمانی، شبلی (م ۱۳۳۲ھ) الفاروق، لاہور، المصباح، س۔ن، ص ۲۴۲

[15]پروفیسر، سید محمد سلیم، اسلام کا نظامِ تعلیم، ص ۹۸

[16]نعمانی، شبلی، الفاروق، ص ۲۴۲۔۲۵۰

[17]السمودی، علی بن عبداللہ (م ۹۱۱) وفاءالوفاء، بیروت، دارالکتب العلمیۃ۱۴۱۹ھ، ج ا، ص ۱۸۔

[18]ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد (م ۸۰۸ھ) التاریخ، بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۱ھ، ج ا، ص ۵۴۸۔

[19]ابن خلدون، التاریخ، ج ا، ص ۵۴۶۔

[20]ابن حزم، ابو محمد، علی بن احمد (م ۴۵۶ھ) الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دارالآفاق الجدیدۃ، س، ن، ج ۵، ص ۱۰۴۔

[21]السبکی، تاج الدین، عبدالوہاب بن تقی الدین (م ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبری، القاہرہ، ھجر للطباعۃ ۱۴۱۳ھ، ج ۴، ص ۳۱۴۔

[22]ابن الشجری، ضیاء الدین، ہبۃ اللہ بن علی (م ۵۴۲ھ) الامالی، القاہرہ، مکتبۃ الخانجی ۱۴۱۳ھ، ص: ۱۸۔ ابن الجوزی، ابوالفرج، عبدالرحمن بن علی، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۲ھ، ج ۱۶، ص ۳۰۴۔

[23]القلقشندی، احمد بن علی (م ۸۲۱ھ) صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۰۷ھ، ج ۵، ص ۶۶۔

[24]الزرکلی، خیر الدین (م ۱۳۹۶ھ) الاعلام، دارالعلم للملایین ۲۰۰۲ء ج ۶، ص ۸۳۔

[25]ایضاً، ج ۲، ص ۲۴۱۔

[26]الزرکلی، الاعلام، ج ۵، ص ۳۱۸۔

[27]احمد شبلی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم و تربیت، مترجم حسین زبیری، لاہور، ادارۃ ثقافت اسلام ۱۹۹۶ء، ص ۱۵۔

[28]البخاری، الصحیح، ج ۳، ص ۹۶، الرقم ۲۲۹۷۔

[29]ابن ہشام، عبدالملک (م ۲۱۳ھ) مصر، مکتبۃ مصطفی البابی ۱۳۷۵ھ۔ ج ا، ص ۳۴۴۔ الحلبی، نورالدین، علی بن ابراہیم (م ۱۰۴۴ھ) السیرۃ الحلبیۃ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۲۷ھ، ج ا، ص ۴۶۵۔

[30]الازرقی، ابوالولید، محمد بن عبداللہ (م ۲۵۰ھ) اخبار مکۃ، مکۃ المکرمۃ، مکتبۃ الاسدی، ۱۴۲۴ھ، ج ۲، ص ۹۰۰۔

[31]الحاکم، ابوعبداللہ، محمد بن عبداللہ (م ۴۵۰ھ) المستدرک، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۱، ج ۳، ص ۵۷۴، الرقم ۶۱۲۹۔

[32]ابن عبدالبر، ابوعمر، یوسف (م ۴۶۳ھ) جامع بیان العلم وفضلہ، السعودیۃ، دارابن الجوزی ۱۴۱۴ھ، ج ا، ص ۲۹۴، الرقم ۱۲۲۸۔

[33]ابن منظور، الزبیدی، محمد بن مکرم (م ۷۱۱ھ) لسان العرب، بیروت، دار صادر ۱۴۱۴ھ، ج ۹، ص ۱۹۵۔

[34]حمیداللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، ص: ۱۱۸۔

[35]ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر (م ۱۴۱۷ھ) پیغمبر اعظم و آخر، لاہور، فیروز سنز لیمٹڈ، س، ن، ص: ۴۱۷۔

[36] مبارک پوری، قاضی اطہر مولانا (م ۱۴۱۷ھ) خیر ون القرون کی درس گاہیں، لاہور ادارۂ اسلامیات ۱۴۲۱ھ، ص ۵۸۔

[37] ایضاً، ص ۵۸۔ ۶۱۔

[38]الکتانی، عبدالحہ (م ۱۳۸۲ھ)، التراتیب الاداریۃ، بیروت، دارالارقم، س ن، ج ۱ ص ۱۰۸۔

[39]ڈاکٹر محمد حمیداللہ، عہد نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۱۹۵

[40] مبارک پوری، قاضی اطہر، خیر ون القرون کی درس گاہیں، ص ۹۶۔ ۹۸۔

[41]الحاکم، المستدرک، ج ۳، ص ۲۴۵، الرقم ۴۹۷۹۔

[42]ایضا، ج ۳، ص ۱۴۵، الرقم ۴۶۵۸۔

[43]کاندھلوی، محمد یوسف (م ۱۳۸۴ھ) حیاۃ الصحابۃ، لاہور، مکتبۃ الحسن، س ن، ج ۳، ص ۲۰۹۔

[44]الاصفہانی، ابونعیم، احمد بن عبداللہ (م ۴۳۹ھ) حلیۃ الاولیاء، مصر، مطبعۃ السعادۃ ۱۳۹۴ھ، ج ا، ص ۲۵۶۔

[45]ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۹۱۔

[46]پروفیسر، سید محمد سلیم، کراچی، زوار پبلی کیشنز ۲۰۱۷ء، اسلام کا نظامِ تعلیم، ص ۹۹

[47]ابن ماجہ، السنن، ج ا ص ۱۵۱، الرقم ۲۲۴

[48]العسقلانی، ابن حجر، (م ۸۵۲ھ) الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ، ج ا ص ۲۹۸۔ نعمانی، شبلی (م ۱۳۳۲ھ) الفاروق، لاہور، المصباح، س۔ن، ص ۲۴۲

[49]الدارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن (م۲۵۵ھ) السنن، السعودیۃ، دارالمغنی ۱۴۱۲ھ، ج۱ص۲۹۸الرقم۲۲۷

[50]البخاری، الصحیح، ج۴ص۱۷۰، الرقم۳۴۶۱

[51]المنذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی (م۶۵۶ھ) الترغیب والترہیب، بیروت، داراحیاءالتراث العربی۱۳۸۸ھ، ج۱ص۱۲۲الرقم۷

[52]نعمانی، شبلی، الفاروق، ص۲۴۲۔۲۵۰

[53]الانعام: ۵۲

[54]مسلم (م۲۶۱ھ)، الصحیح، بیروت داراحیاءالتراث العربی ۱۳۷۴ھ، ج۴ص۱۸۷۸الرقم۲۴۱۳

[55]الترمذی، السنن، ج۵ص۳۰، الرقم۲۶۵۰

[56]الزمر ۱۷:۳۹۔

[57]الاصفہانی، ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، ج۷، ص۲۸۱

[58]المتقی الہندی، علی (م۹۷۵ھ) کنزالعمال، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ۱۴۰۵ھ، ج۱۰، ص۱۸۰، الرقم۲۸۹۴۰

[59]الاحزاب ۳۳: ۱۷۔

[60]احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)، المسند، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ۱۴۱۹ھ، ج۵، ص ۱۱، الرقم ۲۷۹۰

[61]الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد (م۵۰۵ھ) احیاءعلوم الدین، بیروت، دارالمعرفۃ، س ن، ج۱، ص۱۳۔

[62]الدارمی، ابو محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن (م۲۵۵ھ) السنن، السعودیہ، دارالمغنی ۱۴۱۲ھ، ج:۳، ص:۱۳۸۶، رقم: ۲۲۱۵۔

[63]البقرۃ ۲۰۱:۲

[64]الغزالی، ابوحامد، احیاءعلوم الدین، ج۱، ص۱۶۔

[65] مرزا چوہدری عبدالسلام، رشید خالد، مبادیات تعلیم (لاہور، پنجاب ٹیکسٹ بورڈ ۲۰۱۳ء) ص۴۶

[66]حمیداللہ، ڈاکٹر، (م ۱۴۲۳ھ) عہد نبوی ﷺ میں نظامِ تعلیم، نقوش نمبر، لاہور، ادارۂ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء ج۱۴ص۱۲۴

[67]آپ ﷺ کا حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑنا (ابوداؤد، السنن، ج۴ص۲۲۴الرقم۲۵۷۹) آپ ﷺ کا گھر دوڑ کروانا، ابن عمر کا اس میں شریک ہونا (بخاری، الصحیح، ج۴ص۱۳۱الرقم۲۸۶۸۔۲۸۹۸) آپ ﷺ کا اعرابی سے اونٹ دوڑ کا مسابقہ (ایضاً، الرقم ۲۸۷۲) آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ۔ (ابن کثیر اسماعیل بن عمرو (م۷۷۴ھ) جامع المسانید والسنن، بیروت، دار خضر ۱۴۱۹ھ، ج۱، ص۷۵۴الرقم۱۱۲۲) حضور ﷺ کا رکانہ پہلوان سے کُشتی لڑنا اور اس کو پچھاڑ دینا (ابوداؤد، السنن، ج۶ص۱۷۷الرقم۴۰۷۸) حضور ﷺ کا حضرت عائشہ کے ساتھ حبشیوں کے برچھیوں کے ساتھ کھیل کے مظاہرے سے لطف اندوز ہونا (بخاری، الصحیح، ج۱، ص۹۸الرقم۴۵۵) حضور اکرم ﷺ کی تین شعراء تھے حضرت حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک (الکتانی عبدالحہ (م۱۳۸۲ھ) التراتیب الادرایۃ، ج۱، ص ۱۹۰)

[68]حضرت عمرو بن معدی کرب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بچے کا بچپن میں چاق و چوبند ہونا دورِ بلوغت میں اس کی عقل میں اضافے کا باعث ہے۔ (الحکیم الترمذی، محمد بن علی (م۳۲۰ھ) نوادر الاصول، بیروت، دارالجیل س ن، ج۲ص۳۴۶)

[69]غلام عابد خان، عہد نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، لاہور، عوامی کتب خانہ ۱۹۷۸ء، ص۹۷

[70]ابن ماجہ، السنن، ج۱ص۱۵۵، الرقم۲۲۹

[71]ابوداؤد، السنن، ج۵ص۴۸۵الرقم۳۶۴۱

[72]مبارک پوری، قاضی اطہر مولانا، خیر القرون کی درس گاہیں، ص۴۷

[73]صدیقی، ڈاکٹر مشتاق الرحمٰن، تعلیم وتدریس، مباحث ومسائل، اسلام آباد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن ۱۹۹۸ء، ص: ۱۶۰

[74]الدینوری، ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم (م۲۷۶ھ) عیون الاخبار، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ، ج۲ص۱۳۹

[75]ابوعبید القاسم بن الہروی (م۲۲۴ھ) غریب الحدیث، حیدرآباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ ۱۳۸۳ھ، ج۳ص۳۶۹

[76]الہیثمی، نورالدین (م۸۰۷ھ) مجمع الزوائد، القاہرہ، مکتبۃ القدسی ۱۴۱۴ھ، جج۱ص۱۲۵الرقم۵۱۵

[77]حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کا نظامِ تعلیم، نقوش نمبر، لاہور، ادارۂ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء ج ۱۴ ص ۱۲۵

[78]البخاری، الصحیح، ج ۱ ص ۲۲ الرقم ۶۱،

[79]مسلم، الصحیح، ج ۲ ص ۶۶۴ الرقم ۹۶۴۔ البخاری، الصحیح، ج ۵ ص ۱۵۰ الرقم ۴۳۰۲

[80]البخاری، الصحیح، ج ۵ ص ۱۵۰ الرقم ۴۳۰۲

[81]البلاذری، احمد بن یحی (م ۲۷۹ھ) انساب الاشراف، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۷ھ، ج ۱ ص ۳۲۳

[82]النفراوی احمد بن غانم (م ۱۱۲۶ھ) الفواکہ الدوانی، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۵ھ ج ۱ ص ۳۰

[83]احمد، المسند، ج ۲۴ ص ۱۲۸، الرقم ۱۵۴۰۳

[84] الترمذی، السنن، ج ۲ ص ۴۰۲، الرقم ۱۹۵۲

[85]مبارک پوری، قاضی اطہر مولانا، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۵۶

[86]ایضاً: ج ۱ ص ۲۵

[87]احمد، المسند، ج ۳۴ ص ۲۰۷ الرقم ۲۰۶۰۲

[88]أیضاً: ج ۳ ص ۲۹۰ الرقم ۱۷۶۶

[89] البخاری الصحیح، ج ۱ س ۱۳۲، الرقم ۱۰۱

[90] البخاری، الصحیح، ج ۱ ص ۳۱، الرقم ۹۷

[91] الاصفہانی، ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ (م ۴۳۰ھ) ریاض، دار الوطن ۱۴۱۹ھ ج ۶ ص ۳۳۷۲، الرقم ۷۷۱۰

[92]القلقشندی، احمد بن علی، (م ۸۲۱ھ) صبح الاعشی فی صناعۃ الإنشا، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۷ھ، ج ۱ ص ۹۶

[93] پروفیسر، سید محمد سلیم، اسلام کا نظامِ تعلیم، ص ۱۰۴

[94] مبارک پوری، قاضی اطہر مولانا (م ۱۴۱۷ھ) خیرون القرون کی درس گاہیں، لاہور ادارہ اسلامیات ۱۴۲۱ھ، ص ۶۳

[95] تفصیل کے لیے دیکھیے: الکتانی عبد الحہ (م ۱۳۸۲ھ) التراتیب الادرایۃ، بیروت، دار ارقم، س ن، ج ۱ ص ۱۰۹، ج ۲ ص ۷۳، ۷۷، ۷۸

[96] نبی اسرائیل: ۷۰، التین: ۴

[97] احمد، المسند، ج ۳۸، ص ۴۷۴، الرقم ۲۳۴۸۹

[98] الحجرات: ۱۱، العبس: ۱-۴

[99] القرطبّی، محمد بن احمد (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن، القاہرہ، دار الکتب المصریۃ ۱۳۸۴ھ، ج ۱۹ ص ۲۱۳

[100] ابن سعد، الطبقات، ج ۴ ص ۱۹۵

[101] الثعلبی، احمد بن ابراہیم (م ۴۲۷ھ) الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، جدہ، دار التفسیر ۱۴۳۶ھ ج ۲۴ ص ۳۴۴

[102] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، بیروت، دار الجیل ۱۴۱۲ھ، ج ۱ ص ۲۰۰ الرقم ۲۵۰

[103] ابن سعد، الطبقات، ج ۳ ص ۱۵۴ الرقم ۳۲۳

[104]ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۱ ص ۱۷

[105]مذکورہ بالا روایت کی سند میں ذکر کردہ رواۃ کی وضاحت: المنحني: کبڑا/ جھکی کمر والا (ابو علی بن ابی الحسین اصبہانی)، المزکوم: مبتلائے زکام (ابو علی الصولی)، الزَّمِن: اپاہج (احمد بن محمد بن سلیمان)، المفلوج: فالج زدہ (محمد بن محمد بن سلیمان الطوسی)، الأثرم: پوپلا، ٹوٹے دانتوں والا (الحسن بن مھران)، الأحدب: کبڑا (عبد اللہ بن الحسین قاضی مصیصۃ)، الأصم: بہرا (عبد اللہ بن نصر انطاکی)، الضریر: نابینا (ابو معاویہ)، الأعمش: کمزور نگاہ (سلیمان بن مہران)، الأعور: کانا (ابراہیم نخعی)، الأعرج: لنگڑا (حکم بن مہران)، الأعمی: اندھا عبد اللہ بن عباس)۔ القزوینی، عبد الکریم بن محمد (م ۶۲۳ھ) التدوین فی أخبار القزوین، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۸ھ، ج ۲ ص ۶۳